



الاضواء AL-AZVĀ

ISSN 2415-0444 ;E 1995-7904

Volume 34, Issue, 51, 2019

Published by Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of the Punjab, Lahore, 54590 Pakistan

تیرہویں صدی عیسوی میں برصغیر کے مسلمانوں کا علمی سرمایہ: ایک تجزیاتی مطالعہ

The Academic Legacy of Muslims of Sub-Continent in 13th Century: An Analytical Study

منزہ حیات *

کلثوم پراچہ **

Abstract:

Muslim rulers of the subcontinent not only recognize education and literary activities in the thirteenth century AD, but many of them were also had command on education and literature and were also writers. There was a sense of poetry and artistic arts. In their durbars, the scholars and the poets were respected. The royal seminaries were exist in every Muslim era. These institutions generally used to meet the educational and cultural needs of the ruling class. Apart from this, the libraries in the royal palaces were also established. Historiography and poetry beside religions literature were promoted in the 13th century. In the literature, many prosiest, historians, other scholars and their writings were prominent in this era. Such as Muhammad Sadiuddin Auafi, Imām Razi Al-Din Saghāni, Qāzi Minhāj Sirāj Juzjāni, Amīr Hassan Sajzī, etc., in the field of poetry, Amīr Khusrō got more limelight in contemporary poetry. In this period, books on Hadīth, Islamic Jurisprudence and Sūfism were written in Arabic, and the frequent language of literature, history, and poetry was Persian. In this article academic activities of the era have been highlighted.

Key words: Muslim Academicians, 13th Century, Sub-Continent History

برصغیر کا مسلمانوں سے باقاعدہ سیاسی رابطہ پہلی دفعہ اس وقت قائم ہوا جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح (712ء) کیا۔ اس کے تقریباً تین صدیوں بعد پنجاب میں غزنویوں نے اپنی حکومت قائم کی۔ برصغیر میں تیرہویں صدی عیسوی اس حوالہ سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے کہ اس میں مسلم دور حکومت نے اپنی مکمل شناخت حاصل کی اور اس طرح

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، پاکستان

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و تقابل ادیان، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان، پاکستان

مستقل بنیادوں پر سلطنت دہلی کو برصغیر کا ایک اہم باب تصور کیا گیا، اور اسی کے ساتھ اس دور کو دنیاء اسلام کے حوالہ سے بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ قطب الدین ایبک (1206ء-1210ء) نے اپنی حکومت کو منظم کر کے مفتوحہ علاقوں کے انضمام کے بعد ان میں استحکام قائم کیا۔ قطب الدین ایبک جس طرح برصغیر کی مسلم حکومت کا بانی ہے اسی طرح شمس الدین التمش (1211ء-1236ء) کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے نئی مسلم سلطنت کی بنیادیں مضبوط کیں۔ شمس الدین التمش کی وفات پر مرکزی اقتدار کمزور ہو گیا اور حکومت کرنے کی اصل طاقت ”امراء چہل گانی“ (1) کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ خود اپنے درمیان طاقت کے توازن کو قائم رکھا جائے اور جو کوئی ان کے غلبہ کی مخالفت کرے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ بالآخر غیاث الدین بلبن (1266ء-1286ء) ان کی قوت کو توڑنے اور مرکزی حکومت کا وقار بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ”امراء چہل گانی“ کی آزادروی اور شورش انگیزی نے بادشاہت کو بہت نقصان پہنچایا تھا جس کا قدرتی رد عمل یہ ہوا کہ بلبن نے ایرانی آداب و مراسم کو جاری کیا، جس سے بادشاہت کو ایک نیا وقار حاصل ہو گیا۔ اس کا دربار سربر آوردہ پناہ گزینوں کا ٹھکانہ تھا، جن میں شاہزادے، منتظمین حکومت، علما اور ماہرین فنون لطیفہ شامل تھے۔ اس دور میں دہلی مشرق کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ شہر بن گیا اور سلطنت کی شہرت اسلامی دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ بلبن نے اندرونی دفاع اور نظم حکومت کے استحکام پر توجہ دی اور باغی عناصر کو دبا دیا گیا۔

تیرہویں صدی عیسوی کے مسلم حکمرانوں کو علوم و فنون کی سرگرمیوں سے خاص شغف تھا، مسلمان بادشاہوں نے نہ صرف علم و تعلیم کی سرپرستی کی بلکہ ان میں سے بہت سے بادشاہ خود بھی اپنے دور کے علوم و فنون پر عبور رکھتے تھے۔ ان کے دربار میں علماء و فضلاء اور شعراء کو عزت و احترام کا مقام حاصل تھا، علم و دانش کی سرپرستی فراخ دلی سے کرتے تھے۔ مسلم ہند کے ہر دور میں شاہی مدرسے موجود رہے۔ عام طور پر یہ مدارس حکمران طبقہ کی تعلیمی و ثقافتی ضروریات پوری کرتے تھے۔ اس کے علاوہ شاہی محلات میں کتب خانوں کی روایت بھی موجود تھی۔ (2)

یہی سبب ہے کہ قطب الدین ایبک کسی فتح کے اعلان کی طرز تحریر سے بھی اتنی ہی دلچسپی رکھتا تھا جتنا کہ خود اس فتح کا جوش و خروش، اس کے دل میں ہوتا تھا، بڑی سخت فوجی مہمات کی سربراہی سے جو قلیل مدت اسے ملتی تھی وہ ارباب علم و امتیاز کی صحبت میں گزارتا تھا۔ اس کی فیاضی کا حال سن کر شعراء، ادباء اور فقہاء اس کے دربار میں جمع ہوتے تھے۔ (3) اس کے جانشین شمس الدین التمش نے دلی میں ایک مدرسہ تعمیر کیا جو معز الدین غوری

المعروف شہاب الدین غوری (م 1206ء) کے نام سے مدرسہ معزیہ کہلایا، جس کی مرمت بعد میں فیروز شاہ تغلق (1351ء-1388ء) نے کروائی۔ (4)

غیاث الدین بلبن کے ماتحت پناہ گزینوں کی تعداد کافی ہو گئی جن میں مصنف، شاعر، ادیب، فنکار اور دست کار شامل تھے۔ سلطان علماء کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ ایک سلطان کی حیثیت سے اپنے وقار کا بہت لحاظ رکھنے کے باوجود وہ ارباب علم سے ان کے مکانات پر جا کر ملاقات کرتا تھا۔ ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ان فاضل اساتذہ کی ایک طویل فہرست دی ہے جو مختلف مدارس میں درس دیتے تھے، اور جن کے نام اس دور میں معروف تھے۔ (5) علم کا کوئی شعبہ جو قرون وسطیٰ کی دنیا کو معلوم تھا تیرہویں صدی میں دہلی کے شہر میں ضرور اس کی نمائندگی ہوتی تھی۔ دارالحکومت کی مجالس میں علماء، فقہا اور ریاضی دانوں کے ساتھ فلسفی، اطباء اور ہیئت دان اکٹھے بیٹھتے تھے۔

جلال الدین خلجی (1290ء-1295ء) متعدد مسلم حکمرانوں کی طرح خود بھی شعر کہتا تھا۔ (6) اس کے ذاتی مصاحبوں میں خسرو، ملک سعد الدین منطقی، سیاسی مصنف و مؤرخ تاج خطیب جیسے لوگ شامل تھے۔ علاء الدین خلجی (1295ء-1315ء) اپنے دور حکومت میں اپنی سلطنت کے علماء کو برابر وظائف دیتا رہا اگرچہ ان وظائف کی شرح کم کر دی گئی تھی۔ لیکن اس امر کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کے دور میں ایک ٹنکہ (کرنسی) کا مال اس سے زیادہ خریداجا سکتا تھا جتنا کہ معمولی حالات میں ملتا تھا۔ دینی اور غیر دینی علوم کا کوئی شعبہ تیرہویں صدی عیسوی میں سلطنت دہلی میں نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ برنی نے مختلف مضامین کے چھاپیس اعلیٰ معلمین کے نام لکھے ہیں جن کی قابلیت کا کوئی فرد ترکستان، ایران، ترکی اور مصر میں نہیں تھا۔ (7) برنی نے چودہ صفحات سے زیادہ جگہ مشہور اہل علم اور فن کاروں کو دی ہے۔ اس فہرست میں ملا، شاعر، مبلغ، فلسفی، طبیب، ہیئت دان اور مؤرخ شامل ہیں۔ امیر خسرو نے اپنی بعض بہترین تصانیف اسی دور میں لکھیں۔ (8) مدارس و مکاتب کی سرپرستی صدر الصدور (9) کے ہاتھوں میں ہوتی تھی لیکن شعراء اور موسیقاروں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس قسم کے آدمی اگر دربار سے وابستہ ہوتے تھے تو وہ براہ راست شاہی محل کے محکمہ کی نگرانی میں ہوتے تھے۔ فن کاروں کی ایک بڑی تعداد امراء اور والیان صوبہ کے امور میں ملازم تھی۔ (10)

سلاطین علوم و فنون کی سرپرستی محض اپنے جذبہ خود بینی کو مطمئن کرنے کے لئے اختیار نہیں کرتے تھے انہیں اس بات کا احساس تھا کہ کوئی سیاسی نظام بغیر فلسفہ اور دانش کے باقی نہیں رہ سکتا۔ علماء کا اثر لوگوں کو پاکباز اور پابند شریعت رکھتا تھا اور انہیں معاشرہ کا مفید رکن بناتا تھا۔ مگر اہل علم کا یہ رتبہ نہیں تھا کہ وہ شاہوں اور حکمرانوں

کے تابع رہیں، انہیں انسانیت کی فلاح و بہبود میں اپنا حق ادا کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ہم عصر مصنفین اور سیاحوں کی تحریروں سے تعلیمات میں سلاطین دہلی کی کامیابی کا اندازہ با آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ سلطنت دہلی تمام ہم عصر علوم و فنون کے بہترین مراکز کا مقابلہ کرتی تھی۔ (11)

تیرہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں حدیث، فقہ اور تصوف جیسے دینی علوم کے ساتھ ساتھ تاریخ، شعر اور ادب نے بھی فروغ پایا۔ اس دور میں دینی کتب عام طور پر عربی میں لکھی جاتی تھیں اور ادب، تاریخ اور شاعری کی زبان فارسی تھی۔ زیر نظر دور کے علمی سرمایہ اور اس حوالہ سے معروف محدثین، فقہاء، مؤرخین، شعراء اور نثر نگاروں کا تعارف درج ذیل ہے:-

i- سرمایہ حدیث:

علم حدیث، رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اشرف العلوم شمار ہوتا ہے، برصغیر کو اس حوالہ سے شرف حاصل رہا ہے کہ یہاں احادیث کی تالیف کا کام بھی ہوا، چنانچہ تیرہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں علم حدیث کے حوالہ سے جس کتاب نے شہرت حاصل کی اور ایک طویل عرصہ تک یہ کتاب علم حدیث کی تدریس و تعلیم میں مرکزی حیثیت کی حامل رہی اس کا نام مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ ہے۔ جسے رضی الدین حسن بن محمد بن حسن صغانی حنفی (1181ء-1252ء) نے مرتب کیا۔ آپ 577ھ / 1181ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد محمد بن حسن سے حاصل کی، جو ایک ممتاز عالم تھے۔ آپ نے پچیس سال کی عمر میں حنفی فقہ میں کامل مہارت حاصل کر لی۔ سلطان قطب الدین ایبک نے آپ کو لاہور کا قاضی بنانے کی پیشکش کی لیکن آپ نے اس کی بجائے اعلیٰ تعلیم کے لئے غزنی جانے کو ترجیح دی۔ اس کے بعد عراق اور حجاز اسفار کیے۔ 1218ء میں آپ بغداد گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ خلیفہ الناصر (1217ء-1220ء) نے صغانی کو سلطان التمش (1210ء-1227ء) کے دربار میں اپنا سفیر مقرر کیا۔ آپ بیس برس تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ 1227ء میں خلیفہ الناصر کی وفات کی وجہ سے صغانی اچانک بغداد چلے گئے لیکن اسی سال خلیفہ المستنصر (1227ء-1247ء) نے آپ کو دہلی میں پھر اپنا سفیر مقرر کر دیا۔ (12) مؤرخ شمس سراج نے طبقات ناصری میں 1228ء میں عباسی خلیفہ کے سفیر کا ہند آنے کا تذکرہ کیا ہے۔ (13) جس سے اس تقرر کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے۔ 1239ء میں صغانی مستقل طور پر بغداد چلے گئے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ سلطانہ رضیہ (1236ء-1240ء) کے قتل کے بعد جو بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی اس نے صغانی کو دہلی چھوڑنے پر مجبو کر دیا۔ وہاں آپ 655ھ / 1255ء میں انتقال کر گئے اور وصیت کے مطابق مکہ مکرمہ میں تدفین ہوئی۔ آپ علم

حدیث اور لسانیات کے مسلمہ عالم ماہر تھے۔ آپ کی تقریباً بیس تصانیف ہیں جن میں سے نو کا تذکرہ بروکلمان نے بھی اپنی تاریخ عربی ادبیات میں کیا ہے۔ اگرچہ ان تصانیف کا بڑا حصہ لسانیات سے متعلق ہے لیکن علم حدیث سے متعلق تصانیف کی ایک خاص اہمیت ہے، کیونکہ ان کا مقصد صحیح احادیث کو مقبول عام بنانا ہے جنہیں پانچویں صدی ہجری کے آغاز سے بدرجہ نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ آپ نے مشارق الانوار کے نام سے صحیحین کا ایک انتخاب مرتب کیا جو بہت مقبول ہوا اس کی تالیف میں خلیفہ المستنصر کا مالی تعاون شامل رہا۔ اس کتاب میں 2253 احادیث شامل ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے منتخب کی گئی ہیں۔ ان احادیث میں سے 327 صرف صحیح بخاری میں ہیں اور 875 صرف صحیح مسلم میں اور 1051 احادیث دونوں میں موجود ہیں۔ صاغانی نے صرف احادیث قولیہ کا انتخاب کیا ہے اور ان کو احادیث فعلیہ و تقریریہ نیز روایت بالمعنیٰ پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ شریعت کے اصول مدون کرنے میں احادیث قولیہ کا حصہ زیادہ اہم اور بنیادی رہا ہے چنانچہ احادیث کا انتخاب اصول و قاعدے کے مطابق کیا گیا ہے۔ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے صرف صحابہ کے نام درج کیے گئے ہیں اور بخاری کی احادیث میں نام کی بجائے ”خ“، اور مسلم کی احادیث میں ”م“ اور ان دونوں کی مشترکہ احادیث یعنی متفق علیہ کے لئے ”ق“ کی علامت استعمال کی گئی۔ یہ کتاب بارہ ابواب میں منقسم ہے اور باب کی ذیلی تقسیم ایک یا زیادہ فصلوں میں کی گئی ہے۔ اس کتاب کی کئی شروحات بھی لکھی گئی ہیں۔ (14)

ii۔ سرمایہ فقہ اسلامی:

درپیش عملی مسائل کے حل کے لئے قرآن و سنت سے اخذ کردہ رہنمائی نے علم فقہ کا عنوان اختیار کیا ہے، برصغیر میں مسلم دور حکومت میں جب مسائل کے حوالہ سے اہل علم کی طرف رجوع کی ضرورت نے فقہاء کرام کو تالیفی کاموں کی طفت متوجہ کیا۔ چنانچہ تیرہویں صدی عیسوی میں برصغیر میں علم فقہ کے حوالے سے جن کتب فقہ، فقہاء کرام اور فتاویٰ جات نے مقبولیت حاصل کی وہ درج ذیل ہیں:-

الف کتب فقہ:

- 1۔ قاضی کمال الدین جعفری بدایونی نے مسائل فقہ سے متعلق کتاب ”المغنی“ تصنیف کی۔ امیر حسن سجزی فوائد الفواد میں عمدہ انداز سے آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ (15)

- 2- شیخ محمد بن عبد الرحیم ارموی ہندی صفی الدین (1246ء-1315ء) نے اصول فقہ میں ”النهاية“، ”الفاائق“ اور ”الرساله السبعیہ“ تصنیف کیں۔ تینوں اپنے موضوع کی بہترین تصانیف ہیں۔ بالخصوص ”النهاية“ کو نہایت عمدہ کتاب قرار دیا گیا ہے۔ (16)

ب فقہاء کرام:

اس دور کے مشہور فقہاء درج ذیل ہیں:-

- 1- مولانا مصمما الدین فرغانی: آپ فقہ و اصول (17) میں مہارت رکھتے تھے۔ برصغیر میں جب تشریف لائے تو بنگال میں رہائش پذیر ہوئے۔ محمد بختیار خلجی (م 1206ء) (18) نے آپ کے علم و تبحر کی وجہ سے آپ کو اپنے مصاحبین میں شامل کیا۔ آپ نے اپنے بھائی نظام الدین کے ہمراہ غیر مسلموں سے لڑائی میں شریک ہوئے۔ منہاج الدین عثمان ابن محمد جوزجانی نے اپنی تالیف طبقات میں جو 1243ء میں مرتب کی۔ مولانا مصمما الدین کی روایت سے خلجی کے بہت سے واقعات تحریر کیے ہیں۔ (19)
- 2- نظام الدین فرغانی: آپ مشہور علمائے فقہ و اصول میں سے تھے، برصغیر آکر بنگال میں رہائش پذیر ہوئے۔ سلطان محمد بختیار خلجی کا زمانہ تھا، اس نے آپ کی بہت عزت کی۔ آپ نے جنگوں میں بھی شرکت کی، آپ کے بھائی مصمما الدین بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ (20)
- 3- شیخ رکن الدین فردوسی دہلوی: اپنے دور کے مشہور فقیہ تھے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں علم فقہ میں ان کے پایہ کا کوئی نہ تھا۔ عہد طفولیت میں شیخ بدر الدین سمرقندی دہلوی (21) سے وابستہ ہو گئے تھے، ان سے طریقہ فردوسیہ کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد دہلی میں ان کے قائم مقام مقرر ہوئے۔ شیخ نظام الدین اولیاء (22) کے زمانہ میں وفات پائی۔ (23)

ج۔ فتاویٰ جات

ریاستی تشکیل و تنظیم میں مسلم حکمرانوں اور صوفیاء کے علاوہ علماء اور فقہاء کا بھی مؤثر کردار رہا ہے، اہل علم کی رائے سے واقفیت کے لیے ان کے فتاویٰ بنیادی اہمیت اور مستند حیثیت رکھتے ہیں۔ جن سے اس دور میں اٹھنے والے سوالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس دور کے اہل علم کی سوچ کا بھی جو ان سوالات کے جوابات

کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ فتاویٰ کے جاری کرنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ صاحب فتاویٰ کے سامنے پہلے سوال رکھا جاتا، جسے استفتاء کہا جاتا تھا کچھ سوالات خود حکمرانوں کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے اور پھر وہ پیش نظر سوال کے مطابق جواب دیتے۔ لہذا فتاویٰ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے پس منظر یعنی استفتاء کو بھی مد نظر رکھا جائے۔ اس دور میں جن فتاویٰ نے شہرت حاصل کی وہ درج ذیل ہیں:-

1- فتاویٰ غیاثیہ

تیرہویں صدی عیسوی میں لکھا جانے والا فتاویٰ غیاثیہ ہندوستان کے مشہور فرمانروا سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف منسوب ہے۔ غیاث الدین بلبن نے قرون وسطیٰ کی صورت حال کے حوالے سے اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ ریاست کی تشکیل میں ملکی مفادات کو ترجیح دی جائے۔ چنانچہ اس نے جامد مذہبی طبقہ کی حکمرانی کے تصور کی جگہ باشعور سیاسی طبقہ کی حکومت کا تصور دیا جو دین اسلام کے اساسی تصور سے ہم آہنگ تھا جس کی اس دور کے فتاویٰ غیاثیہ سے تائید ہوتی ہے۔ یہ فتاویٰ عربی زبان میں ہے اور فقہ حنفی کے نقطہ نظر سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کا مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ ستر فصول، چھتیس بواب اور تینس انواع پر مشتمل ہے۔ کتابت ایک شخص کے ہاتھ کی نہیں بلکہ اس میں کئی کتابوں کا حصہ ہے۔ فقہی اعتبار سے اسے اس لیے زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ اس سے اس دور کے اہل علم کے فکری رجحانات کا اندازہ ہوتا ہے جن پر اس دور کے معاشرہ کی بنیادیں استوار کی جا رہی تھیں۔ چنانچہ باب الاستحسان والکراہیہ کی فصل اول کی نوع فی الدعاء میں مصنف اس سوال کو زیر بحث لائے ہیں کہ کافر کی اللہ سے دعا کے بارے میں کیا یہ لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے کہ ”اس کی دعا مستجاب یعنی قبول کر لی گئی“ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ قبولیت دعا کا تعلق اہل اسلام سے ہے اور دعا اور استجابت دونوں شرعی لفظ ہیں تو کیا فقہی لحاظ سے ان الفاظ کا انتساب کافر کی طرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف اس بارے میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے حدیث کے اس جملہ کو پیش کرتے ہیں کہ [ان دعویٰ المظلوم مستجابہ] (24) ”مظلوم کی دعا قبول کی جاتی ہے“ جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دارقطنی کے حوالہ سے روایت کے الفاظ میں اتق دعوة المظلوم (مظلوم کی بددعا سے بچو) کا جملہ نقل کیا ہے۔ (25) گویا یہاں نہ کافر کا لفظ ہے نہ مسلم کا، بلکہ صرف مظلوم کا ہے اور مظلوم کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں ”ان کان کافراً“ یعنی مظلوم اگرچہ کافر ہو تو بھی اس کی دعا قبول ہوگی کیونکہ جب مظلوم کا لفظ عام ہے، کافر یا مومن کے ساتھ مختص نہیں، تو ہر شخص کی دعا کے لیے اللہ کا قبولیت کا دروازہ کھلا ہے اور اس کے لیے دعا اور

استحابت دعا کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ (26) اس فتویٰ سے اسلام کی انسان دوست اور مظلوم پرور فکر کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔

2۔ فتاویٰ قراخانی:

فتاویٰ کا یہ مجموعہ تیرہویں صدی عیسوی کی آخری دہائی سے تعلق رکھتا ہے جو جلال الدین خلجی کے دور میں ترتیب پایا۔ 1290ء میں کیتباد کے قتل کے بعد وہ سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے لقب سے دہلی میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال تھی، جلال الدین خلجی نے کل چھ سال حکومت کی۔ وہ بڑا نیک حکمران تھا اگرچہ اس نے سرحدوں کے محافظ کی حیثیت سے منگولوں (مغلوں) کے حملے روکنے میں بہادری کا مظاہرہ کیا لیکن فطرتاً سے خونریزی سے نفرت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر بادشاہی قتل و غارت گری اور مخالفین کو قتل اور قید کرنے کا نام ہے تو میں ایسا بادشاہ نہیں، میں پیغمبر اسلام کی شریعت کے خلاف ایک کام بھی نہیں کر سکتا۔ (27)

”فتاویٰ قراخانی“ کا فقہی مخطوطہ فارسی زبان میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں شیرانی کلیکشن میں موجود ہے۔ اس مخطوطہ کے مصنف کا نام مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی ہے اور ان کی وفات کے بعد اسے موجودہ شکل میں ترتیب دینے والا قبول قراخان ہے اس کا مقدمہ بھی اسی نے لکھا۔ (28) فتاویٰ قراخانی میں غیر مسلموں کے حوالے سے دو مسائل کا تذکرہ ملتا ہے جس سے مسلم ریاست میں مسلم و غیر مسلم تعلقات کی نوعیت متعین کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ایک مسئلہ کا تعلق ان کے مذہبی حقوق سے ہے اور دوسرے مسئلہ کا تعلق ان کے معاشی مسائل سے ہے۔ (29)

مصنف فتاویٰ قراخانی نے دیگر مسائل فقہ کی طرح کتاب الجزیہ و الخراج میں متعلقہ مسائل کے تمام اہم گوشوں پر بھی بحث کی ہے اور اس کی تفصیلات کو احاطہ تحریر میں لائے ہیں۔ اس ضمن میں ایک جگہ یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر ذمی بنجر زمین صحیح و مکمل طور پر آباد کرے تو شرعاً یہ شخص اس زمین کا مالک قرار پائے گا یا نہیں؟ پھر اس کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ مالک قرار پائے گا۔ اور بعد ازاں کافی کے حوالہ سے مولانا حافظ عماد الدین کا قول نقل کیا ہے کہ زمین آباد کرنے کی وجہ سے ذمی، اس کا ٹھیک اسی طرح سے مالک ہو گا جس طرح کہ مسلمان مالک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زمین کو آباد کرنا ملک (مالک ہونے) کا سبب بنتا ہے اور غیر مسلم تمام اسباب ملک میں مسلمانوں کی مانند ہیں۔ (30)

یہ فتویٰ اس بنیادی اصول کی نشاندہی کرتا ہے کہ غیر مسلموں کی جان کے ساتھ ساتھ ان کی ملکیت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اسلامی ریاست پر عائد ہے۔ کوئی مسلمان ان کے مال، املاک، جائیداد سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

iii سرمایہ تصوف

تصوف اس جذبہ اخلاص کے تربیتی عمل کا نام ہے جو ضمیر سے متعلق ہے۔ یہ دراصل نفس کا تزکیہ ہے تصوف میں انسان کے ظاہر سے زیادہ باطن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ برصغیر میں مقامی اور مسلم ثقافتی گروہوں کے درمیان تہذیبی سطح پر ابلاغ کا ذریعہ تصوف رہا چنانچہ برصغیر میں اسلام کی اشاعت زیادہ تر صوفیاء کرام کے ذریعہ ہوئی۔ تیرہویں صدی ہجری میں کئی بزرگان دین ایسے گزرے ہیں جو صاحب تصنیف تھے، ان میں سے چند ایک کا تعارف درج ذیل ہے:-

1- اصول الطریقہ، شیخ صوفی حمید الدین ناگوری (1175ء-1274ء) کی معروف تصنیف ہے۔ آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (1186ء-1235ء) کے علاوہ خواجہ معین الدین چشتی (1142ء-1232ء) کے ممتاز شاگردوں میں بھی شامل ہیں۔ آپ اپنے دور کے یکتا متقدمین مشائخ میں ایک بلند مقام رکھتے تھے اور ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ مشائخ چشتیہ میں سب سے پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اصول طریقت پر کتاب لکھی ہے۔ آپ ایک شاعر بھی تھے۔ آپ کے ناگور میں قیام کے باعث ناگور کا علاقہ تیرہویں صدی کے اوائل میں اہم ثقافتی و روحانی مرکز بن گیا تھا۔ یہ روحانی مرکز برصغیر کی مقامی تہذیب سے بہت متاثر ہوا تھا۔ چشتی بزرگ صداقت پر کسی ایک گروہ کی اجارہ داری کے تصور کو رد کرتے تھے۔ مذہبی، نسلی یا علاقائی برتری کے دعوے کے نزدیک بے معنی تھے، چنانچہ انہوں نے انسان دوستی کے رویے کو اختیار کرتے ہوئے ہندوستان میں ہندو، مسلم مفاہمتی ثقافت کی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کیا۔ (31)

2- لوائح، طوابع الشموس فی شرح اسماء الحسنی، قاضی محمد بن عطاء بخاری ناگوری (م 1245ء) کی تصنیف لطیف ہے، جو دو جلدوں میں ہے۔ آپ کا لقب حمید الدین تھا آپ کے والد سلطان شہاب الدین غوری (1202ء-1206ء) کے دور میں برصغیر تشریف لائے۔ ناگور میں قضاۃ تفویض ہوئی اور یہیں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد آپ اپنے باپ کے جانشین قرار پائے مگر جب تین سال بعد معزول کر دیئے گئے تو بغداد روانہ ہوئے اور شیخ طریقت حضرت شہاب الدین سہروردی (1145ء-1233ء) کی خدمت میں ایک سال

حاضر رہ کر اکتساب فیض فرمایا۔ جس کے بعد مدینہ منورہ آئے یہاں چودہ ماہ قیام کے بعد مکہ مکرمہ پہنچے حج کیا اور ایک سال اقامت کے بعد برصغیر تشریف لے آئے۔ آپ کی بغداد میں شیخ قطب الدین بختیار کاکی (م 1235ء) سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ان کے پاس آئے شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے آپ کو خرقہ چشتیہ عطا کیا۔ (32)

3۔ بہائیہ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی (1182ء-1262ء) کی علم تصوف میں تصنیف کردہ کتاب ہے۔ آپ نے مدینہ میں پانچ برس رہ کر وہاں کے مشہور محدث شیخ کمال الدین محمد یحییٰ سے حدیث کی سند لی، پھر بغداد تشریف لائے اور شیخ شہاب الدین سہروردی (33) کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ یہاں سترہ دن قیام کے بعد مرشد سے خلافت حاصل کر کے ہندوستان آئے اور ملتان میں سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہ قائم کی، رشد و ہدایت کے کام کا آغاز کیا۔ داراشکوہ نے شیخ زکریا کو شیخ شہاب الدین سہروردی کا کامل ترین خلیفہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ملتان کو جائے قیام بنانے کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے لوگوں کی ہدایت و اصلاح کی طرف توجہ دی۔ (34)

4۔ الاوراد، شیخ بہاء الدین زکریا نے فارسی میں تصنیف کی ہے جس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں موجود ہے۔ مولانا محمد میاں صدیقی کے اردو ترجمہ کے ساتھ طبع ہو چکا ہے۔ اس رسالہ کی مبسوط شرح ”کنز العباد فی شرح الاوراد“ جسے مولانا بن احمد غوری نے تحریر کیا۔ (35)

5۔ اسرار الاولیاء، مولانا بدر الدین اسحاق بخاری (م 1291ء) کی علمی تصنیف ہے۔ آپ مدرسہ معزیہ (36) سے فارغ التحصیل ہونے والوں میں شامل تھے۔ آپ معقول و منقول (37) میں اپنے وقت کی نمایاں شخصیت تھے۔ (38) آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی بن حسین سے ملتا ہے۔ آپ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم کے بعد طویل عرصہ تک دہلی کے مدرسہ معزیہ میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ایک دفعہ بخارا جانے کا ارادہ کیا اور دہلی چلے تو اثنائے سفر اجودھن (پاک پتن) پہنچے، وہاں پر شیخ فرید الدین گنج شکر (1174ء-1265ء) کے بارے میں پتہ چلا کہ ایک نیک اور متقی بزرگ یہاں رہتے ہیں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اوراد و ظائف میں مشغول ہو گئے۔ شیخ فرید الدین نے ان کے چہرے اور کردار و سیرت میں فضیلت کے آثار دیکھتے ہوئے اپنے پاس رہنے کا حکم دیا، اپنی بیٹی ان کے عقد میں دی اور

خرقہ ان کے زیب تن کیا۔ پھر تمام عمر آپ حضرت شیخ فرید الدین کی خدمت میں رہے۔ آپ بہت بڑے عالم، فقیہ، زاہد اور شاعر تھے اور معارف و علوم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ ”اسرار الاولیاء“ میں آپ نے شیخ فرید الدین کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ (39)

iv سرمایہ تاریخ:

کسی قوم کی نشاۃ ثانیہ کے لئے تاریخی کتب کی جواہریت و افادیت ہے وہ کسی بیان کی محتاج نہیں۔ علم تاریخ دنیا کے قدیم ترین اور مفید علوم میں شمار ہوتا ہے۔ اگر تاریخ انسانی زندگی کے تجربات آئندہ نسلوں تک نہ پہنچاتی تو انسانی تمدن موجودہ دور کی ترقی تک کبھی نہ پہنچتا اور انسان تاریخ کے پرانے دور پر ہی رکا ہوتا۔ تاریخ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے مختلف اقوام ماضی کی غلطیوں پر نظر ڈال کر اپنے حال و مستقبل کو بہتر بنا سکتی ہیں۔ قرآن مجید میں چونکہ عادیثہ و یہود و نصاریٰ جیسی اقوام کے عبرت انگیز واقعات بیان کیے گئے ہیں اس لئے قدرتی طور پر مسلمانوں کو علم تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوئی شروع میں مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے واقعات کو تحریر کرنا شروع کیا جو سیرت و مغازی کہلائیں یہ اسلامی تاریخ نویسی کی ابتدائی صورتیں تھیں۔ اسلامی تاریخ نویسی عربوں اور ایران سے ہوتی ہوئی جب برصغیر پہنچی تو برصغیر فارسی تاریخ نویسی کا مرکز بن گیا۔ چنانچہ خاندان غلاماں (1206ء-1290ء) کے دور میں جو کہ برصغیر کی مسلم تاریخ کا سب سے پہلا حکمران خاندان ہے، ان ایرانی علماء و ادباء اور شعراء کا مرکز بن گیا جو ایران پر تاتاری حملہ (1216ء) سے لے کر ہلاکو خان کے ہاتھوں سقوط بغداد (1258ء) تک کے درمیانی عرصہ میں وہاں سے نکل کر یہاں آئی اس دور کے معروف علماء و ادباء کے نام صدر الدین محمد بن حسن نظامی، فخر الدین مبارک شاہ، محمد بن علی بن حامد کوئی، قاضی سدید الدین عوفی، منہاج الدین جوزجانی، امیر خسرو اور حسن سجزی ہیں۔ تیرہویں صدی عیسوی میں تاریخ پر جن لوگوں نے قلم اٹھایا وہ درج ذیل ہیں:-

- 1- برصغیر میں اسلامی حکومت کے باقاعدہ قیام کے بعد سلطان قطب الدین ایبک کی خواہش پر صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے پہلی تاریخی تصنیف ”تاج المائثر“ کے نام سے 1206ء میں لکھنا شروع کی اور 1215ء میں اسے مکمل کیا۔ یہ کتاب برصغیر میں اسلامی سلطنت کے آغاز سے متعلق ایک بنیادی ماخذ ہے۔ اس کتاب میں شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے پہلے سات سال تک کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ یہ کتاب برصغیر میں اسلامی سلطنت کے آغاز سے متعلق ایک بنیادی ماخذ ہے۔ پوری کتاب ابتدا سے

اختتام تک مرصع و مرجع عبارت میں تحریر کی گئی ہے۔ آپ چونکہ شاعر بھی تھے لہذا آپ نے اپنی اس تحریر میں اپنا عربی و فارسی کلام درج کیا ہے۔ سید صباح الدین عبد الرحمن تاج المآثر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ”تاج المآثر کے انشا کے تکلف، تصنع اور آورد کے باوجود اس کے تاریخی واقعات میں سقم نہیں پایا جاتا۔ اس کا مؤلف ہندوستان کا پہلا مؤرخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی اور اس کی بدولت سلطان قطب الدین ایبک کی زندگی کے حالات بعد کی نسلوں کو معلوم ہوئے۔ ورنہ ہندوستان کے پہلے مسلمان فرمانروا کے بعض اہم کارناموں پر تاریکی کا پردہ پڑا رہتا“ (40) تاج المآثر واقعات سے زیادہ انشا پر دازی کا نمونہ ہے۔ مشہور ہے کہ اس کی بارہ ہزار سطروں میں سات ہزار عربی اور فارسی اشعار ہیں۔ (41)

2۔ اس دور کے قابل ذکر مصنف فخر الدین مبارک شاہ المعروف بہ فخر مدبر غزنوی ہیں۔ آپ کی کتاب ”شجرة الانساب“ ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے ملوک عرب و عجم اور خلفاء و سلاطین اسلام کے ایک سو چھتیس شجرے درج ہیں۔ مقدمہ میں سلاطین غوریہ کے بعض واقعات 586ھ تا 602ھ اور فتوحات کے حالات درج ہیں۔ ابتدا میں قطبی دور کی مختصر تاریخ ہے، اس کے مقدمہ کو سر ڈینی سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے 1927ء میں لندن سے طبع کروایا۔ اس کا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں ہے۔ اس کی فہرست میں اس کا نام آداب الملوک و کفایۃ الملوک ہے۔ (42)

3۔ فخر الدین مبارک شاہ کی دوسری کتاب ”آداب الحرب والشجاعة“ ہے جس میں نظام حکومت، فنون جنگ اور آلات جنگ سے بحث کی گئی ہے۔ اس موضوع پر فارسی زبان کی بہترین کتب میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ پروفیسر محمد شفیع ایم ای پر نسیل اور نیٹیل کالج لاہور نے آداب الحرب کے دو اقتباس اور نیٹیل کالج میگزین 1937ء شائع کیے ہیں۔ (43)

4۔ تاریخ برصغیر سے متعلق قدیم کتاب ”پنج نامہ“ جو کہ تاریخ قاسمی کے نام سے بھی مشہور ہے ناصر الدین قباچہ (1210ء-1227ء) کے عہد میں عربی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ عربی سے فارسی میں ترجمہ چونکہ محمد بن علی بن حامد کوئی نے کیا اور عربی مصنف کے نام کا پتہ نہیں چل سکا لہذا اب مترجم محمد بن علی کوئی کی حیثیت مستقل مصنف کی ہو گئی ہے۔ یہ تاریخ جو کہ بنیادی طور پر محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، سندھ کی علاقائی تاریخ اور تاریخ سندھ کا ایک قدیم ترین اور مستند ماخذ ہے۔ اس کا اسلوب آسان اور

عام فہم ہے۔ یہ کتاب ”منہاج المسالک“، ”فتح نامہ“ اور تاریخ ہندو سندھ“ کے ناموں سے بھی معروف ہے۔ (44) شیخ محمد بن علی بن حامد بن ابو بکر کوئی اوچی سندھی، فاضل آدمی تھے۔ 1216ء میں جبکہ ان کی عمر میں اٹھاون برس کی تھی اوچ سے نکلے اور بھکر، الور کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہاں آپ کی ملاقات قاضی اسماعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ طائی سے ہوئی۔ ان کے پاس عربی زبان میں تاریخ سندھ اور سرزمین سندھ میں مسلمانوں کی جنگوں اور ان کی فتوحات کے کچھ واقعات دیکھنے کا اتفاق ہوا جو مختلف اوراق میں منتشر تھے۔ آپ نے یہ اجزائے تاریخی ان سے حاصل کیے اور ناصر الدین قباچہ کے وزیر حسن بن ابو بکر بن محمد اشعری عین الملک کے لیے فارسی زبان میں منتقل کیے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ (انڈیا) میں یہ مخطوطہ اب بھی موجود ہے۔ (45)

5- قاضی سدید الدین عوفی (1171ء-1242ء) عہد سلاطین کے ایک مشہور مؤرخ ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب چونکہ مشہور صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوف سے جاملتا ہے لہذا آپ نے عوفی اپنے نام کا حصہ بنالیا۔ آپ 1200ء میں بخارا سے سمرقند آئے اور نصرۃ الدین عثمان بن ابراہیم کے عہد میں اول الذکر سے قرب حاصل کر کے ان کے والد کی تجویز سے شاہی دیوان انشا (سیکرٹریٹ) کے میر منشی مقرر ہوئے۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد خراسان چل پڑے اور 1203ء میں نساء (بستی) آ پہنچے۔ یہاں سے 1207ء میں نیشاپور اور وہاں سے 1210ء میں اسفرانہ آئے۔ خراسان آپ نے فتنہ تاتار میں چھوڑا اور 1219ء کے آخر میں آپ ہندوستان آئے۔ یہاں ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک فخر الدین حسین بن ابو بکر اشعری نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ یہاں آپ نے 1227ء تک قیام فرمایا۔ فکر معاش سے آزاد ہو کر آپ نے لکھنے لکھانے کا کام شروع کیا۔ آپ کی دو کتب نے شہرت حاصل کی، آپ کی تصنیف ”لباب الالباب“ میں فارسی زبان کے قدیم شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس طرح ان قدیم شعراء کے کلام کے نمونے صرف اسی تذکرہ سے ملتے ہیں یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کا انداز تحریر مسجع و مقفع اور عبارت آرائی سے بھرپور ہے۔ (46)

6- جب ناصر الدین قباچہ کی بادشاہت سلطان شمس الدین التمش کے زیر نگین ہو گئی تو قاضی سدید الدین عوفی نے ان کے وزیر قوام الدین محمد بن ابوسعید جنیدی سے رشتہ موَدت قائم کر لیا اور ان کے لیے 1231ء میں اپنی دوسری کتاب ”جوامع الحکایات ولوامع الروایات“ تصنیف کی۔ اس کتاب کی حکایات کا زیادہ تر حصہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے جس سے اس عہد کی سماجی اور سیاسی زندگی کا نمونہ سامنے آ جاتا ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے اور

اس میں کل اکیس سو تیرہ حکایات ہیں۔ (47) آپ نے ”الفرج بعد الشدة“ مصنفہ قاضی ابو علی الحسن علی بن محمد داؤد تنوخی (945ء) کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا، جس کا تذکرہ آپ نے جوامع الحکایات میں کیا ہے۔ علامہ چلی نے اپنی معروف کتاب (دائرة الکتب مترجم) ”کشف الظنون“ میں جوامع الحکایات کے ذیل میں لکھا ہے کہ علامہ احمد بن محمد المعروف ابن عرب شاہ حنفی (م 1450ء) جس زمانہ میں ترکی کے بادشاہ سلطان مراد خان ثانی کے معلم تھے، ان کے لیے جوامع الحکایات کا ترجمہ ترکی میں کیا، جس کی نقل مولانا نجاتی شاعر (م 1220ء) شہزادہ سلطان محمد خان اور مولیٰ صالح بن جلال (م 1530ء) نے سلطان بایزید بن سلیمان خان نے کی ہے۔ (48) زیر نظر کتاب کا اردو ترجمہ پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کی مدد سے انجمن ترقی اردو نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

7- منہاج الدین جوزجانی (1193ء-1260ء) کا نام عثمان تھا۔ آپ فقہ، اصول، سیرت، تاریخ، شعر گوئی میں باکمال، متواضع، فیاض اور پیش کردہ مقدمات میں دقیق النظر تھے۔ قاضی منہاج سراج نے ناصر الدین محمود التمش دوم (1246ء-1266ء) کے دور میں دہلی میں 1260ء میں ”طبقات ناصری“ کے نام سے عمومی تاریخ تحریر کی۔ یہ کتاب تینیں طبقات پر مشتمل ہے، پہلے دس طبقوں میں انبیائے کرام، خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ و بنو عباس اور اس کے ساتھ ساتھ ملوک عجم و یمن کا ذکر کیا گیا ہے۔ برصغیر کی مسلم حکومت کے حوالہ سے اس کے خاندان غزنوی (977ء-1186ء)، خاندان غوری (1149ء-1206ء) اور خاندان غلاماں سے متعلق حصے نہایت اہم ہیں۔ یہ تاریخ سلطان ناصر الدین محمود دوم کے پندرہویں سال سلطنت (1260ء) کے حالات واقعات پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسلوب نگارش سادہ و سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا پختہ اور استوار ہے۔ (49)

دیگر علوم کا سرمایہ:

- 1- شیخ محمد بن عبدالرحیم ارموی ہندی صفی الدین (1246ء-1315ء) نے دمشق میں کئی کتب تصنیف کیں جن میں علم الکلام اور اصول دین کے موضوع سے متعلق الزبدہ ہے۔ (50)
 - 2- مولانا بدر الدین اسحاق غزنوی نے جن کا تعارف سطور بالا میں سرمایہ تصوف میں آچکا ہے، نے ایک کتاب عربی نظم میں علم الصرف سے متعلق لکھی تھی۔ (51)
- v شعری سرمایہ ادب:

تیرہویں صدی عیسوی کے معروف حکمران شمس الدین التمش کو علماء، شعراء اور صوفیاء سے خاص شغف تھا۔ التمش کے دور حکومت میں مسلم علوم و فنون کو اس لئے بھی فروغ حاصل ہوا کہ وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کی دنیائے اسلام میں منگولوں کی لائی ہوئی تباہی سے پریشان ہو کر بہت سے علماء برصغیر آ گئے، التمش نے انہیں خوش آمدید کہا، ان میں بخارا کے مشہور شاعر و فلسفی فخر الملک شامل ہیں۔ فخر الملک تیس سال تک خلیفہ بغداد کے وزیر رہے تھے اور اپنی ذہانت و دانش میں مشہور تھے۔ التمش نے انہیں اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا۔ (52) التمش نے اپنی اولاد کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی بالخصوص اس کی بیٹی رضیہ جو بعد میں تخت نشین ہوئی اور برصغیر کی پہلی خاتون مسلم حکمران قرار پائی، تعلیم یافتہ تھی۔ وہ شعر کہتی تھی اور شیریں تخلص کرتی تھی۔ (53)

اسی طرح غیاث الدین بلبن کا بیٹا شہزادہ محمد خان شہید (م 1285ء) علم و ادب کا شوق رکھتا تھا، شاعری سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اس نے بیس ہزار اشعار کا انتخاب کر کے ایک بیاض بھی مرتب کی تھی۔ تاریخ کی کتب میں اس کی ادب نوازی کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ اس نے ایک ادبی حلقہ قائم کر رکھا تھا جس کا اجلاس شہزادہ کے محل میں ہوتا تھا اور وقت کے مشہور شاعر و ادیب اور علماء و فضلاء اس میں شریک ہوتے تھے۔ امیر خسرو اور خواجہ حسن دونوں ہی شہزادہ محمد کے انتخاب اشعار کی خوبی کے قائل تھے۔ امراء اور عام لوگوں نے بھی شہزادے کے اعلیٰ ذوق سے تحریک حاصل کی، نتیجتاً دار الحکومت ادبی سرگرمیوں کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ بلبن بھی اپنے بیٹے کے اس شوق کی حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ شہزادہ محمد کے قتل کے بعد غیاث الدین بلبن نے اس کی بیاض امیر علی جامدار کو دی اور جامدار نے امیر خسرو کو دی۔ اس دور کے تمام نامور شعراء نے اس بیاض کو دیکھا اور اس کی بیاض کے اشعار اپنی بیاضوں میں نقل کیے۔ عاقلوں اور عالموں کی تلاش میں شہزادہ محمد نے شیخ سعدی (54) کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ زادراہ اور تحائف بھی ارسال کیے لیکن شیخ نے کبر سنی کی وجہ سے آنے سے انکار کر دیا البتہ اپنی بجائے چند مدحیہ اشعار شہزادے کی خدمت میں بھیج دیئے۔ ان اشعار میں امیر خسرو کی بھی تعریف کی گئی تھی جو نہ صرف شہزادے کے مصاحب تھے بلکہ اس کے خیالات کی تشکیل میں بھی انہوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ (55) کسی قوم کے ذہنی اور ذوقی مدارج کا پیمانہ ادبیات ہوتی ہیں۔ تیرہویں صدی عیسوی میں کئی قادر الکلام شعراء اور اعلیٰ درجہ کے فارسی انشا پرداز دربار دہلی میں جمع ہو گئے تھے۔ اس دور کے چند شعراء کا تعارف درج ذیل ہے:-

- 1- قاضی علی بن عمر الحمودی وسعت علم اور معلومات میں ممتاز تھے۔ آپ کو سلطان قطب الدین ایبک کی طرف سے گوناگوں انعامات حاصل ہوئے۔ آپ کی تصانیف میں نہایت اچھوتے مضامین ہیں۔ آپ کے کچھ اشعار سدید الدین عوفی نے لباب الباب میں نقل کیے ہیں، اشعار کا نمونہ درج ذیل ہے۔ (56)

تاچند با اے زبست گشتہ زار لعل آب از دیدہ در غم آں آب دار لعل
نے نے چو یافت بالباب وندانت نسبتے ناقص شدست تولود گشت است خوار لعل

- 2- بہاء الدین روش ان بڑے بڑے شعراء اور علماء میں سے تھے جو قطب الدین ایبک کے دربار سے منسلک تھے۔ آپ ایبک کی مدح میں قصیدہ پیش کر کے داد لیتے تھے۔ (57)
- 3- التتمش دور میں ایک شاعر تاج الدین تھے جو اپنی کوتاہ ققامتی کی وجہ سے ریزہ یا سنگریزہ کہلاتے تھے۔ سلطان التتمش اور اس کے جانشین سلطان رکن الدین کے دور میں دبیر الملک کے اہم منصب پر مامور تھے۔ آپ نے مختلف قلعوں کی تسخیر یا اس طرح کے دوسرے مواقع پر بادشاہ کی تعریف میں قصائد لکھے۔ (58)
- 4- شمس دور کے ایک اور شاعر امیر روحانی تھے۔ آپ بخارا سے تعلق رکھتے تھے لیکن جب یہ شہر چنگیز خان کے ہاتھوں برباد ہوا تو آپ برصغیر آ گئے۔ یہاں سلطان شمس الدین التتمش کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ (59)
- 5- دور شمس کے شعراء میں سے ایک شاعر کا نام ناصر بن ناصر تھا جس کے ایک قصیدہ کا ذکر فوائد الفواد میں ہے۔ یہ قصیدہ التتمش کی تعریف میں تھا۔ (60)
- 6- بہاء الدین علی شمس دور میں صدر کے عہدہ پر مامور تھے اور پھر ترقی کرتے کرتے بڑے مدارج پر پہنچ گئے۔ آپ ایک کامیاب سپاہی بھی تھے اور خوش طبع شاعر بھی۔ (61)
- 7- شہاب مہمرہ کی اپنے دور میں اتنی شہرت تھی کہ امیر خسرو اپنے اشعار میں آپ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں جیسے مرزا غالب اپنے اشعار میں میر تقی میر کا کرتے ہیں۔ اس دور کے کئی شعراء مہمرہ کے شاگرد تھے۔ مشہور شاعر عمید بھی ان میں شامل تھے۔ (62)
- 8- سلطان ناصر الدین محمود بن سلطان شمس الدین التتمش (1246ء-1266ء) کے دور کے مشہور شاعر شمس الدین دبیر تھے جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے استاد بھی تھے۔ آپ دبیری، منشی گری، ندیمی، ملکی کے مراتب طے کر کے ایک زمانہ میں ”مستوفی ممالک ہندوستان“ (آڈیٹر جنرل) ہو گئے تھے۔ غیاث الدین بلبن نے جب

اپنے بیٹے بغراخان کو بنگالہ کا حاکم با اختیار مقرر کیا تو دہلی کے بعض قابل اور با اعتماد لوگوں کو بھی اس کی ملازمت میں ساتھ دیا ان میں شمس الدین دبیر بھی تھے۔ (63)

9- زید بن اسامہ حلی کی کنیت ابو العنّام تھی، شاعر بے بدل تھے۔ عراق چھوڑ کر برصغیر کو وطن بنالیا اور یہیں وفات پائی۔ (64)

10- فاطمہ سام دہلویہ ایک بزرگ خاتون تھیں۔ نظام الدین اولیاء نے آپ کو دیکھا تو آپ کی یہ تعریف کی کہ آپ تقویٰ و صلاح میں درجہ کمال تک فائز ہیں۔ دل میں رقت پیدا کرنے والے شعر پڑھتی تھیں۔ (65) مثلاً

ہم عشق طلب کنی وہم جان خواہی ہر دو طلبی وے میسر نشود

11- فخر الدین عمید النونکی نے ناصر الدین محمود بن التمش کے دور میں بہت سے شہر فتح کیے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے۔ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں آپ کے قصائد جمع کیے ہیں۔ (66) مثلاً

منکہ چو سیرغ در یک گوشہ مسکن کردہ ام ماورائے مرکز خاکی نشین کردہ ام
نگ ہر مرغی دریں بوم از چہ معنی مے کشم رفتہ ام عنقا صفت در کوہ مسکن کردہ ام

12- شیخ برہان الدین بلخی (م 1288ء): عہد سلطان غیاث الدین بلبن کے اکابر علماء و فضلا میں سے تھے۔ فقیہ و محدث، جامع علوم عقلیہ و نقلیہ، صاحب طریقت و شریعت اور شاعر تھے۔ عارفانہ شعر کہتے، آپ نے مشارق الانوار براہ راست اس کے مصنف علام شیخ حسن بن محمد صغانی سے با اسناد سنی۔ سلطان غیاث الدین بلبن ہر جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دیر تک بیٹھا رہتا۔ (67)

13- برصغیر کے عظیم شاعر امیر خسرو (1253ء-1324ء) کا نام ابوالحسن، لقب یحییٰ الدولہ اور تخلص خسرو تھا۔ آپ پٹیالی (مومن آباد،، جواب ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ میں چھوٹا سا قصبہ ہے) میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں سلطانی تخلص کرتے تھے لیکن بعد میں بدل کر خسرو تخلص اختیار کر لیا۔ آپ کے والد سیف الدین محمود ترکی قبیلہ ہزارہ لاجپن سے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش کے دور حکومت میں برصغیر آئے اور فوجی ملازمت اختیار کی۔ امیر خسرو نے کم سنی میں ہی شعر کہنے شروع کر دیئے تھے۔ سلطان جلال الدین خلجی کے دور حکومت میں امیر خسرو کو خلعت امارت عطا ہوا اور بارہ سو تنکہ وظیفہ ملتا رہا۔ سلطان جلال الدین خلجی کی شہادت کے بعد آپ نے سلطان علاء الدین خلجی کی ملازمت قبول کر لی، جس نے آپ کا وظیفہ برقرار رکھا۔ یہ دور امیر خسرو کی تصنیف و تالیف کے اعتبار

سے سب سے زیادہ باثروت زمانہ تھا۔ سلطان قطب الدین مبارک شاہ (1316ء-1320ء) اور سلطان غیاث الدین تغلق (1320ء-1325ء) کے دور حکومت میں بھی امیر خسرو کو بادشاہ کی سرپرستی اور قرب حاصل رہا۔ آخر عمر میں امیر خسرو غیاث پور کے بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء (م 1325ء) کے مرید ہو گئے۔ امیر خسرو کی متعدد تصانیف مثنویوں، غزلیات، ملفوظات اور تاریخ پر مشتمل موجود ہیں۔ عہد و سطر کے تاریخی ادب میں آپ کے دواوین اور مثنویاں انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان تصنیفات میں اس عہد کی سماجی و سیاسی حالت اور تمدنی نقوش واضح نظر آتے ہیں۔ آپ نے اپنی عمر کے بہتر برسوں میں سات سلاطین کے ادوار دیکھے، لہذا اس تناظر میں آپ کی تصانیف اس دور کی آئینہ دار ہیں جن میں اخلاقی قدروں کے ساتھ پند و نصائح اور حکمت و معرفت سارے پہلو سامنے آتے ہیں۔ امیر خسرو احساسات و ارادات کے اظہار کے لیے نئی نئی تشبیہیں اور استعارے لاتے ہیں۔ اس سے نہ صرف کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے بلکہ معانی میں وسعت بھی آتی ہے۔ انہی تشبیہات کے ذریعہ انہوں نے منظر کشی بھی کی ہے جو صرف حسن ظاہری کا کام نہیں دیتی بلکہ ان کے کسی تجربہ کی گہرائی کا بھی پتہ دیتی ہے۔

امیر خسرو نے فارسی نظموں کے علاوہ ہندی اور عربی میں بھی متفرق اشعار کہے ہیں۔ (68)

امیر خسرو ایک عظیم شاعر ہی نہیں بلکہ اپنے دور کے عظیم ترین موسیقار بھی تھے۔ مذہبی معاملات میں وہ بڑا وسیع مشرب رکھتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف ہندو مذہب کو ہمدردانہ سمجھنے کی کوشش کی بلکہ تمام مذہبی تعصبات اور تنگ نظری سے بالاتر ہو کر اسلام اور ہندو مذہب میں مشترکہ عناصر کی تلاش پر بھی زور دیا ہے۔ جیسا کہ آپ کا ایک شعر اس بات کی عکاسی کرتا ہے:

نیست ہنود ارچہ کہ دیندار چوما

ہست بے جا با قرار چوما

”اگرچہ ہندو ہمارے جیسا دین نہیں رکھتے، لیکن دونوں کے عقیدوں میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں“

امیر خسرو نے اپنی شاعری کے ذریعے ہندوستانی حب الوطنی کے جذبہ کو فروغ دینے کی شعوری طور پر کوشش کی تھی۔ اس طرح امیر خسرو نے اس تہذیبی عمل کو تیز کر دیا، جسے سید علی ہجویری اور ان کے بعد چشتی سلسلہ کے دیگر بزرگوں نے شروع کیا تھا۔ انہوں نے اپنے فن کو برصغیر کے مختلف ثانوی گروہوں کے درمیان وسیلہ ابلاغ بنایا اور ان کے درمیان یک جہتی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ جمالیاتی حوالے سے امیر خسرو مقامی تہذیب سے اپنا رشتہ دریافت کرتے ہیں وہ اپنے تئیں ”ہندی ترک“ اور ”طوطی ہند“ قرار دیتے ہیں۔ (69) اس اعتبار

سے وہ پہلے ہندی مسلمان ہیں جو اپنے ہندی الاصل ہونے پر فخر کا اظہار کرتے ہیں۔ تیرہویں صدی کے برصغیر میں اشرفیہ سے تعلق رکھنے والے کسی مسلمان کا اپنے ہندی ہونے کا اعلان کرنا دراصل مظلوم طبقات کے ساتھ وابستگی کا اعلان ہے۔ اس طرح یہ امیر خسرو کی انسان دوستی، روشن خیالی اور ترقی پسندی کا واضح ترین اظہار ہے نیز یہ اعلان کرنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہر قسم کے مذہبی، نسلی اور سماجی تعصبات سے بالاتر تھے۔ امیر خسرو دراصل ہندی مسلم تہذیب کے نمائندہ ہیں۔ (70)

آپ نے نظم و نثر میں تقریباً ایک سو کتا ہیں لکھیں جن میں قران السعدین، مفتاح الفتوح، خزائن الفتوح، دول رانی خضر خان، مثنوی نہ سپہر اور تغلق نامہ قابل ذکر ہیں۔ پروفیسر سید حسن عسکری آپ کی تصانیف کی تاریخی اہمیت کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

"If the function of the historian is to enlighten and illuminate by throwing fresh, almost new light on and adding to the existing stock of knowledge of the past then the wealth of solid, factual information not available elsewhere and furnished by Amir Khusrau's works specially the Miftah, Khazain and Tughlaq Nama, entitle the author to be called a historian. Through the Ashiqa, Nu Siphir, Qiran-us Saadain and even the Risail-i-ijaz are not wanting in valuable information of political value, they are works of solid worth for those working in the field of social and cultural history." (71)

آپ کی مثنویوں کی تاریخی حیثیت کے حوالہ سے تاریخ ادبیات پاکستان و ہند کے مقالہ نگار رقمطراز ہیں

کہ:

”یہ مثنویاں ایک چشم دید گواہ کا بیان ہونے کی وجہ سے اعلیٰ تاریخی ماخذ شمار ہوتی ہیں۔ اسلوب بیان میں

صراحت و وضاحت کا پہلو نمایاں ہے۔ شاعرانہ مبالغہ اور ایہام و ابہام سے کام نہیں لیا گیا“ (72)

برنی امیر خسرو کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ امیر خسرو احتراع معنی، تصنیفات کی کثرت اور کشف و رموز بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اگر دوسرے اساتذہ فن نظم اور نثر میں بے مثال ہوئے ہیں تو امیر خسرو جملہ فنون میں ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ایسا صاحب فن کہ جو شاعری کی جملہ اقسام میں استاد اور سربر آوردہ مانا گیا ہو، نہ زمانہ قدیم میں گزرا ہے اور نہ بعد کے زمانہ میں۔ (73) غرضیکہ امیر خسرو نے

دور وسطیٰ کے تاریخی ادب میں جو اضافہ کیا مورخین نے ہمیشہ اس سے استفادہ کیا۔ آپ کی تیرہویں صدی میں لکھی گئی چند کتب کا تعارف درج ذیل ہے:-

- 1- قران السعدین (1289ء): تیرہویں صدی عیسوی کے برصغیر کے مورخ، مشہور شاعر امیر خسرو کی تاریخی مثنویاں اس دور کے پہلے درجہ کی تاریخی اسناد میں شمار ہوتی ہیں۔ یہ مثنوی جو کہ امیر خسرو کے تاریخی خمسہ کی سب سے پہلی مثنوی ہے۔ 1289ء میں خاندان غلاماں کے آخری سلطان معز الدین کی قباد (1287ء-1289ء) کے کہنے پر لکھی گئی۔ اس کا بنیادی موضوع سلطان معز الدین کی قباد سلطان دہلی اور اس کے والد ناصر الدین بغراخان بن سلطان غیاث الدین بلبن (حاکم بنگال) کے درمیان تاریخی ملاقات ہے جو 1289ء میں اودھ میں دریائے سر جو کے کنارے ہوئی۔ یہ مثنوی خاندان غلاماں کے مشہور سلطان غیاث الدین بلبن کی وفات کے فوراً بعد پیش آنے والے حالات و واقعات جاننے کے لیے، جو اس خاندان کے سقوط پر منتج ہوئے، مستند ماخذ ہے۔ (74)
- 2- مفتاح الفتوح (1291ء): امیر خسرو کی یہ مثنوی جو کہ خاندان خلجی (1290ء-1320ء) کے بانی سلطان جلال الدین خلجی کی جنگوں کے حالات پر مبنی ہے۔ یہ تاریخی مثنوی خاندان خلجی کی ابتدائی تاریخ کی بنیادی دستاویز ہے۔ خسرو نے جلال الدین کی تاجپوشی اور اس کے دیگر حالات کو اس کتاب میں نظم کیا۔ (75)
- 14- امیر حسن سجری (1253ء-1336ء): آپ کا پورا نام خواجہ نجم الدین حسن سجری تھا۔ چونکہ آپ کے بزرگ سبستان کے رہنے والے تھے اس لیے سجری کہلاتے تھے۔ سلطنت دہلی کے زمانہ کے شاعروں میں آپ امیر خسرو کے بعد سب سے بڑے شاعر ہوئے ہیں دونوں میں کمال دوستی تھی۔ آپ کی نظم و نثر دونوں میں کافی تالیفات ہیں۔ آپ کو تراکیب کی سلاست اور عبارت کی روانی میں مہارت حاصل تھی۔ چونکہ آپ نے بہت سی وجدانی غزلیں کہی ہیں جن میں بہت روانی ہے اس لیے آپ کا خطاب سعدی ہندوستان ہو گیا۔ آپ کے کئی دیوان ہیں اور نثر میں بھی کئی کتب (صحائف بہ نثر) اور بہت سی مثنویاں ہیں۔ (76)

vi- نثری سرمایہ ادب:

سلطان قطب الدین ایبک کے دور حکومت میں کئی اہل قلم برصغیر آ گئے تھے لیکن سلطان شمس الدین التمش کے دور میں ان میں اضافہ ہوا۔ یہ عمل سلطان غیاث الدین بلبن کے دور حکومت میں تیز تر ہو گیا۔ بلبن نے ان اہل علم کی قدر کی اور ان سے استحکام حکومت میں مدد لی۔ تاریخ فیروز شاہی کے ایک انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمس الدین التمش نے نہ صرف بیرون ہند کے علماء کی قدر دانی کی بلکہ وہ بیرون ہند سے اچھی کتب منگواتا تھا اور

اس ملک کے علمی خزانوں کو مالا مال کرتا تھا۔ اس کے دور میں نہ صرف آداب السلاطین اور ماثر السلاطین جیسی کتب باہر سے منگوائی گئیں بلکہ برصغیر میں بھی کئی بلند پایہ کتب تصنیف یا ترجمہ ہوئیں۔ عہد شمسی کا ایک فاضل موید جر جامی تھا، جس نے بادشاہ وقت کے نام پر امام غزالی کی احیاء العلوم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ التمش کا بیٹا رکن الدین فیروز ایک ناکام بادشاہ تھا لیکن علم و ادب میں اس نے بھی دلچسپی لی اور امام رازی کی تالیف سرمکتوم کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ (77) زیر نظر دور کے مشہور نثر نگار درج ذیل ہیں:-

1- ابو عبد اللہ محمد بن المامون بن الرشید ابن ہبۃ اللہ المطوعی لاہوری (م 1206ء)، وطن سے حصول علم کے لیے نکلے، خراسان میں فقہ شافعی پڑھی، نیشاپور میں ابو بکر شیرازی اور ابو نصر قشیری کے تلامذہ کے درس میں سماعت کے بعد بغداد میں ایک مدت قیام فرمایا، جہاں ایک کتاب قلمبند فرمائی۔ اس کے بعد آذربائیجان گئے، وہاں وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری کیا، جس کی پاداش میں ملاحدہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ (78)

2- قاضی علی بن عمر محمودی قاضی حمید الدین افتخار الافاضل کے لقب سے معروف تھے۔ وسعت علم و تحقیق میں علماء مشاہیر میں سے تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک ان کی بے حد عزت کرتا تھا۔ آپ کی تصنیفات میں سے کچھ رسائل بھی ہیں جو دیار ہند کے حلقہ اہل علم میں مشہور ہوئے، آپ شاعر بھی تھے۔ (79)

3- امیر حسن سجری نہایت پسندیدہ اخلاق و اوصاف سے متصف تھے۔ آپ دہلی کے بڑے بڑے علماء، اکابر اور سلاطین کی تاریخ سے واقف تھے۔ آپ کو چونکہ شیوخ سے نہایت عقیدت تھی اس لیے اپنی اس ارادت مندی کے زمانہ میں شیخ نظام الدین اولیاء (1236ء-1325ء) کی مجالس میں ان کی زبان سے جو کچھ سنا وہ شیخ ہی کے الفاظ میں چند جلدوں میں جمع کر لیا اور اس کتاب کا نام "فوائد الفوائد" رکھا۔ جتنی شہرت اس کتاب کو ملی برصغیر میں اتنی کسی اور کے ملفوظات کے مجموعے کو نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کے کئی دیوان ہیں اور نثر میں بھی کئی کتب (صحائف بہ نثر) اور بہت سی مثنویاں ہیں۔ (80)

4- شیخ مجد الدین لاہوری، ابن خطیر الدین کا نام محمد ابن عبد الملک جر جانی تھا، آپ اپنے دور کے ممتاز اور با کمال افاضل میں سے تھے۔ سدید الدین عوفی نے لباب الالباب میں آپ کے والد کے تذکرہ میں آپ کا اور آپ کی انواع و اقسام کی تصانیف کا ذکر کیا ہے جو معقول و منقول دونوں میں مشہور ہیں۔ (81)

الغرض برصغیر میں تیرہویں صدی عیسوی میں جب سلطنت دہلی نے استقلال حاصل کیا تو علمی سرگرمیوں کو بھرپور فروغ حاصل ہوا، اس کے نتیجے میں اہل علم نے حدیث، فقہ اور تصوف جیسے دینی علوم کی ترویج کی۔ مؤرخین نے تاریخ نویسی کی، شعراء و ادباء نے اپنی ذہنی کاوشیں صرف کیں۔ علم فقہ میں فتاویٰ کی روایت اس

دور کے اہل فقہ کی سماجی آگہی کا ثبوت دیتی ہے۔ مسلم علمی ورثہ اس بات کا یقیناً استحقاق رکھتا ہے کہ اس کو علم کے متلاشی اپنی تحقیق و تنقید کا موضوع بنائیں تاکہ برصغیر میں علمی ارتقاء کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔

نتائج تحقیق:

- 1- تیرہویں صدی عیسوی میں سلطنت دہلی نے اپنا ایک مستقل تشخص پایا، جس کے تحت ریاستی سرگرمیوں اور رفاہی کاموں کے ساتھ ساتھ تعلیم کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ علم و ادب میں نثر اور تاریخ کے میدان میں کئی عالم اور ادیب نمایاں مقام رکھتے تھے۔ جیسا کہ محمد سدید الدین عوفی، امام رضی الدین صغانی، قاضی منہاج سراج، امیر حسن بجزی وغیرہ ہیں اسی طرح شعر و شاعری کے میدان میں امیر خسرو کو ہم عصر شعراء میں زیادہ شہرت ملی۔
- 2- مسلمان بادشاہوں نے نہ صرف علم و تعلیم کی واقعاً سرپرستی کی بلکہ ان میں سے بہت سے بادشاہ خود بھی اپنے دور کے علوم و فنون پر عبور رکھتے تھے اور مصنف بھی تھے۔ شعر و ادب اور فنون لطیفہ کے ذوق سے بہرہ ور تھے۔ ان کے دربار میں علماء و فضلاء اور شعراء کو عزت و احترام کا مقام حاصل تھا، علم و دانش کی سرپرستی فرادلی سے کرتے تھے۔

- 3- شعراء اور نثر نگار اگر دربار سے وابستہ ہوتے تھے تو وہ براہ راست شاہی محل کے محکمہ کی نگرانی میں ہوتے تھے فن کاروں کی ایک بڑی تعداد امر اور والیان صوبہ کے عملوں میں ملازم تھی۔
- 4- تیرہویں صدی عیسوی میں برصغیر کے حوالہ سے جس کتاب نے شہرت حاصل کی جو ایک طویل عرصہ تک علم حدیث کے حوالہ سے مرکزی حیثیت کی حامل رہی اس کا نام ”مشارق الانوار“ ہے۔ جسے رضی الدین حسن بن محمد بن حسن صغانی نے مرتب کیا۔

- 5- ریاستی تشکیل و تنظیم میں اہل علم کی رائے سے استفادہ کے لیے ان کے فتاویٰ بنیادی اہمیت اور مستند حیثیت رکھتے ہیں۔ جن سے اس دور میں اٹھنے والے سوالات کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ان کے جوابات سے اہل علم کی عصری تقاضوں سے کما حقہ آگہی بھی آشکار ہوتی ہے۔

- 6- تیرہویں صدی ہجری میں کئی بزرگان دین ایسے گزرے ہیں جو صاحب تصنیف تھے جیسا کہ شیخ صوفی حمید الدین ناگوری نے ”اصول الطریقہ“ لکھی۔ قاضی محمد بن عطاناگوری نے ”لوائح، طوابع الشموس فی شرح اسماء الحسنی“ تحریر کی۔ شیخ بہاء الدین زکریا کی علم تصوف میں کتاب ”بہائیہ“ اور کتاب ”الاوراد“ ہے۔ مولانا بدر

الدین اسحاق بخاری کی تصنیفات میں سے ایک کا نام ”اسرار الاولیاء“ ہے، جس میں آپ نے شیخ فرید الدین کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

7- علم تاریخ سے متعلق صدر الدین محمد بن حسن نظامی نیشاپوری نے پہلی تاریخی تصنیف ”تاج المائثر“ کے نام سے 1206ء میں لکھنا شروع کی اور 1215ء میں اسے مکمل کیا۔ یہ کتاب برصغیر میں اسلامی سلطنت کے آغاز سے متعلق ایک بنیادی ماخذ ہے۔ اس کا مؤلف ہندوستان کا پہلا مؤرخ ہے جس کی اصل کتاب محفوظ رہی اور اس کی بدولت سلطان قطب الدین ایبک کی زندگی کے حالات بعد کی نسلوں کو معلوم ہوئے۔ ورنہ ہندوستان کے پہلے مسلمان فرمانروا کے بعض اہم کارناموں پر تاریکی کا پردہ پڑا رہتا۔ فخر الدین مبارک شاہ کی ”شجرۃ الانساب“ اور فنون جنگ کے موضوع پر ”آداب الحرب“ قابل ذکر ہیں۔

8- تاریخ برصغیر سے متعلق قدیم کتاب ”چچ نامہ“ جو کہ تاریخ قاسمی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ناصر الدین قباچہ کے عہد میں عربی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔ عربی سے فارسی میں ترجمہ چونکہ محمد بن علی بن حامد کوفی نے کیا اور عربی مصنف کے نام کا پتہ نہیں چل سکا لہذا اب مترجم محمد بن علی کوفی کی حیثیت مستقل مصنف کی ہو گئی ہے۔ یہ تاریخ جو کہ بنیادی طور پر محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے، سندھ کی علاقائی تاریخ اور تاریخ سندھ کا ایک قدیم ترین اور مستند ماخذ ہے۔ قاضی منہاج سرانج نے ناصر الدین محمود التمش دوم کے دور میں دہلی میں ”طبقات ناصری“ کے نام سے عمومی تاریخ تحریر کی۔

9- تیرہویں صدی عیسوی میں کئی قادر الکلام شعراء اور اعلیٰ درجہ کے فارسی انشا پرداز دربار دہلی میں جمع ہو گئے تھے جن میں قاضی علی بن عمر الحمودی، تاج الدین سنگریزہ، بہاء الدین روش، شمس الدین دبیر، امیر خسرو اور امیر حسن سجری کے نام نمایاں ہیں۔ قاضی سدید الدین عوفی، عہد سلاطین کے ایک مشہور مؤرخ ہیں۔ آپ کی دو کتب نے شہرت حاصل کی، جن کے نام ”لباب الالباب“ اور ”جوامع الحکایات و لوامع الروایات“ ہیں۔ لباب الالباب فارسی زبان کے قدیم شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس طرح ان قدیم شعراء کے کلام کے نمونے صرف اسی تذکرہ سے ملتے ہیں یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

10- فارسی نثر میں محمد بن المامون لاہوری، قاضی علی بن عمر محمودی، امیر حسن سجری (فوائد الفواد) اور شیخ مجدد الدین لاہوری اپنے دور کے ممتاز اور باکمال افاضل میں سے تھے۔

حواشی و حوالہ جات

- 1- سلطان التمش کے پاس چالیس ترک غلام تھے جنہیں اس وقت کے علوم و فنون میں مہارت حاصل کرائی گئی لہذا ان کا شمار اس وقت کے ہندوستان کے امراء کبار میں ہونے لگا۔ ان کی وجہ سے التمش نے اپنے حریفوں پر فتح پائی اور ملک میں امن و امان قائم کر کے خاندان غلاماں کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ التمش کے انتقال کے بعد جب ایک دوسرے کے بعد کمزور بادشاہ تخت نشین ہوئے تو ان چالیس ترک غلاموں کا سیاست میں بہت عمل دخل ہو گیا اور ان کی جماعت نے باقاعدہ ایک منظم پارٹی کی شکل اختیار کر لی۔ یہ ترک غلام بہت اچھے عہدوں پر فائز تھے۔ رضیہ نے شاہی دربار میں ان کی اہمیت کم کرنے کے لیے یاقوت نامی حبشی غلام کو آگے بڑھایا لیکن اس کا انجام سلطنت سے محرومی ہوا۔ رضیہ کے جانشین فیروز شاہ، بہرام شاہ اور مسعود شاہ وغیرہ انہی کی وجہ سے یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور معزول ہوئے۔ سلطان مسعود کے بعد انہی امراء نے ناصر الدین محمود کو تخت پر بٹھایا اس کے عہد میں بھی امراء چہل گانی اہم حکومتی نمائندے رہے۔ غیاث الدین بلبن امراء چہل گانی میں سے تھا بلبن نے اپنے دور حکومت میں ان کا زور توڑا اور ان کی جماعت کو منتشر کیا۔ اس کے بعد اگرچہ ترک غلام موجود رہے لیکن سیاسی حیثیت سے نمایاں نہ ہو سکے۔ (فرشتہ، قاسم محمد: تاریخ فرشتہ (مترجم خواجہ عبدالحی) لاہور، بک ٹاک ٹیمپل روڈ، 1:262، 1991)
- 2- قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، لاہور، تخلیقات ٹیمپل روڈ، 1995ء، ص 36
- 3- تخت نشینی کے بعد اپنے ملوک و امراء اور دیگر کے لیے اپنا ہاتھ اس حد تک کشادہ کیا کہ لوگ اس کو سلطان قطب الدین ایک ”لکھ بخشش“ کہنے لگے۔ (جوزجانی، منہاج سراج: طبقات ناصری (مترجم ممتاز لیاقت) لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، سن اشاعت 2004ء، ص 171-172)
- 4- برنی، ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی، مترجم ڈاکٹر سید معین الحق، لاہور، اردو سائنس بورڈ، اپریل، 2004ء، ص 341
- 5- ایضاً
- 6- اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، 1971ء، ص 198
- 7- ایضاً
- 8- برنی، ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی، ص 341
- 9- یہ ایک عالی مرتبت و محترم عہدہ تھا جو نہ صرف بڑا وقار رکھتا تھا بلکہ اس کے اختیارات بھی بہت وسیع ہوتے تھے۔ اور اس کا محکمہ دیوان رسالت کہلاتا تھا یہ منصب، محکمہ تعلیم اور محکمہ مذہبی امور کے انتظامی و تعلیمی امور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ دیوان رسالت کے سربراہ کی حیثیت سے صدر الصدور مذہبی خطبوں، نماز پڑھانے والوں اور سلطنت کی مساجد کا انتظام کرنے والوں کا تقرر کرتا تھا۔ صدر الصدور کا سب سے اہم فرض یہ ہوتا تھا کہ مملکت کے وظائف کے لیے عالم و

- فاضل لوگوں کے ناموں کی سفارش سلطان سے کرے تاکہ وہ لوگ حصول علم کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر سکیں۔) اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص 186)
- 10- اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، ص 201
- 11- ایضاً، ص 197
- 12- عبدالحئی لکھنوی، نزہۃ الخواطر و ہیبت المسامح والنواظر، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، چوک فوارہ، 1993، 1:156۔ ڈاکٹر محمد اسحاق بھٹی، علم حدیث میں پاک و ہند کا حصہ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، سن اشاعت 1977ء، ص 257-260
- 13- عباسی خلیفہ مستنصر باللہ (1227ء-1247ء) نے 1228ء میں سلطان شمس الدین التمش کو دہلی میں فرمان حکومت اور پرچم بھیجا۔ (جوزجانی، منہاج سراج: طبقات ناصری ص 75)
- 14- عبدالحئی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 1:156
- 15- سبزی، امیر حسن: فوائد الفواد (مترجم خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی)، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، سن اشاعت 2008ء، ص 506
- 16- عبدالحئی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 2:142
- 17- اصول فقہ قواعد و مباحث کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے ذریعے تفصیلی دلائل سے شریعت کے عملی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، بحوالہ بدران: اصول الفقہ، لاہور، دانش گاہ پنجاب، 1973ء، ص 12:14، 31)
- 18- قطب الدین ایبک نے 1199ء میں محمد بختیار خلجی کو بہار کا علاقہ فتح کرنے کے لئے ایک فوج کا سالار بنا کر بھیجا یہاں اسے بہت کامیابی ہوئی اس کے بعد 1204ء میں بنگال کو بغیر خونریزی کے فتح کیا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، 19:387، مقالہ نگار، عبدالباقی نہاوندی، مآثر جمی 1:292)
- 19- عبدالحئی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 1:183
- 20- ایضاً 1:238
- 21- آپ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں، آپ شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے زمانہ میں دہلی آئے، سلسلہ فردوسیہ میں سب سے پہلے آپ ہی ہند میں آکر سکونت پذیر ہوئے، بہت سے لوگوں نے آپ کی بیعت کا شرف حاصل کیا، آپ کا انتقال شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں ہوا۔ (عبدالحئی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 1:48)
- 22- آپ کا نام محمد اور لقب نظام الدین تھا۔ 1229ء میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے بچپن میں ہی آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تو آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی پہنچے اور حضرت فرید الدین گنج

- شکر کے شاگرد ہوئے، بعد ازیں سلسلہ چشتیہ کے نظامیہ طریقہ کے بانی قرار پائے۔ (کرمانی، محمد بن مبارک سید، میر خور د: سیر الاولیاء، دہلی، در مطبع محب ہند، فیض بازار، 1302ھ، ص 10)
- 23- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 1: 170
- 24- بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، کتاب الجہاد، باب اذا سلم قوم فی دار الحرب، کراچی، قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ
- 25- عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی: فتح الباری شرح الجامع الصحیح للبخاری، الرياض، دار السلام، طبع اولیٰ 2000ء، 212:6
- 26- محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، 1973ء ص 50، 36 بحوالہ مخطوطہ ورق 78
- 27- برنی، ضیاء الدین، تاریخ فیروز شاہی، (مترجم)، ص 284
- 28- محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص 94
- 29- آرٹیکل ملاحظہ ہو، منزہ حیات، پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمن، آرٹیکل، غیر مسلموں کے بارے میں برصغیر کے فتاویٰ کا نقطہ نظر (تیرہویں تا پندرہویں صدی عیسوی کا ایک مطالعہ) پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ سنٹر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، والیوم 10، 2013ء
- 30- محمد اسحاق بھٹی: برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ص 98، 97
- 31- داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، (مترجم محمد علی لطفی)، کراچی، نفیس اکیڈمی اردو بازار، 1986ء، ص 129۔ عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، 1: 181
- 32- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 1: 121
- 33- شہاب الدین ابو حفص عمر ابن عبداللہ (1145ء-1233ء) صوفی اور شافعی المسلک عالم دین ایران کے صوبہ جبال میں بمقام سہرورد پیدا ہوئے۔ تصوف کی ابتدائی تعلیم اپنے چچا ابو النجیب عبدالقادر سہروردی اور مشہور صوفی بزرگ شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل کی اور پھر صدر الصوفیہ کے مرتبہ تک جا پہنچے۔ آپ راسخ الاعتقاد صوفیوں کے نمائندہ ہیں آپ کی مشہور تصانیف میں ایک عوارف المعارف ہے اور دوسری النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ ہے دونوں کتابوں کا انتساب خلیفہ الناصر کے نام کیا گیا۔ (لاہوری: غلام سرور مفتی: خزینۃ الاصفیاء (مترجم پیر زادہ اقبال احمد فاروقی)، لاہور، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور، 1990ء، ص 194)
- 34- داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، (مترجم محمد علی لطفی)، ص 151
- 35- رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، (مترجم محمد ایوب قادری)، کراچی، 1961ء، ص 131
- 36- سلطان شمس الدین التمش کے دور حکومت میں دہلی میں ”مدرسہ معزیہ“ کی تاسیس و تعمیر ہوئی یہ مدرسہ معز الدین محمد غوری المعروف شہاب الدین غوری کے نام سے منسوب تھا جو اپنے دور کا ایک عظیم الشان تعلیمی ادارہ تھا التمش نے خود

مدرسہ کے قیام اور تزئین و آرائش میں دلچسپی لی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک عمدہ درس گاہ بن گئی۔ قرامطہ نے جب رضیہ سلطانہ (1236ء-1240ء) کے دور میں دہلی پر حملہ کیا تو انہوں نے اس مدرسہ کو خاصاً نقصان پہنچایا، اس کے بعد فیروز شاہ تغلق (1351ء-1388ء) نے اس برباد شدہ مدرسہ کو از سر نو بحال کیا عمارت کی تزئین و آرائش کا کام کرایا اور ایک بار پھر اسے حصول علم کا مرکز بنادیا (ابوالحسنات ندوی: ہندوستان کی قدیم درس گاہیں، امرتسر، روز بازار، الیکٹریک پریس ہال بازار، 1922ء، ص 22)

37- معقول علم الکلام کی اصطلاح میں ایک مخصوص نظریہ کے اظہار کے لیے اور ایک خاص قسم کے دینی مباحث کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کا آغاز فخر الدین رازی کے ساتھ کم از کم چھٹی صدی ہجری یعنی بارہویں صدی عیسوی ہی میں ہو گیا تھا اور بعد ازیں الابی، التفازانی اور الجرجانی نے چودھویں صدی عیسوی میں بالوضاحت بیان کیا، عام ہے اس اصطلاح کا مرجع ایک قدیم تر اصطلاح العلوم العقلیہ ہے جو فلسفہ سے ماخوذ ہے اور جس سے مراد وہ عقلی (یا طبعی) علم ہے جسے مشاہدہ و عقل سے خود حاصل کیا جاسکتا ہے۔ الغزالی اس اصطلاح کو بکثرت استعمال کرتے ہیں اور اسے العلوم الشرعیہ والدینیہ (یعنی شرعی اور دینی علم) کے مقابل ٹھہراتے ہیں۔ معتزلی روایات کے مطابق عقلیات سے مراد وہ شے ہے جو عقل کے لیے ممکن الحصول ہو بالخصوص اخلاقی سطح پر۔ قدیم ”کلام“ میں خود ”دینی علوم“ کے دائرہ میں بھی اس قسم کا امتیاز پایا جاتا ہے ابتدائی معتزلی مناظروں میں بعض اوقات علم دینی کو ”علم عقلی“ اور ”علم شرعی“ میں تقسیم کر دیا گیا ہے بعد کی تصانیف (اشعری اور ماتریدی مسالک) میں ”عقلیات سے مراد مجموعی طور پر ”کلام“ (فلسفہ دینیہ) کے وہ تمام موضوعات ہیں جو عقل کے زیر تصرف ہیں یا بالفاظ دیگر ایسے موضوعات جن کے مبادیات، خواہ ان کا ماخذ شرعی ہی کیوں نہ ہو دلائل قطعیہ (عقلیہ) سے ثابت کیے جاسکیں یہ ان موضوعات کے مقابل ہیں جو ”سمعیات“ (مختصر برسمع) کہلاتے ہیں یعنی جن کے مبادیات محض قرآن حکیم یا روایتی متون (حدیث وغیرہ) سے ماخوذ ہوں۔ انہیں منقول بھی کہا جاتا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ 410:13)

38- شیخ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاحیاء، سکھر، مکتبہ نوریہ رضویہ، س-ن، ص 67

39- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 1: 145

40- صباح الدین عبد الرحمن، بزم مملوکیہ، لاہور، پرنٹ لائن پبلشرز، 2001ء، ص 21

41- قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، ص 39

42- شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، 1994ء، ص 116

43- مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، تاریخ ملت، لاہور، دارہ اسلامیات انارکلی، 1991ء، 3: 456

44- سید بیگی سرہندی، تاریخ مبارک شاہی، (مترجم ڈاکٹر آفتاب اصغر)، لاہور، اردو سائنس بورڈ، اپریل 1986ء، ص 37

45- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 1: 193

46- قاضی سدید الدین عوفی، لباب الالباب، لیڈن، تحقیق ایڈورڈ براؤن، مطبع بریل، سن اشاعت 1906ء، ص 56

- 47- قاضی سدید الدین عوفی، جوامع الحکایات ولوامع الروایات، تحقیق ڈاکٹر محمد معین، ایران، دانش گاہ، س۔ن، ص 186
- 48- اردو دائرہ معارف اسلامیہ 559:21۔ عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 175:1
- 49- منہاج سراج، طبقات ناصری، تحقیق و تعلیق عبدالحی حبیبی قندھاری، (مترجم غلام رسول مہر)، لاہور، اردو سائنس بورڈ
- 299 اپر مال، طبع سوم 2004، ص 9
- 50- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 142:2
- 51- ایضاً 145:1
- 52- منہاج سراج، طبقات ناصری، (مترجم)، ص 166
- 53- قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، ص 40
- 54- شیخ مشرف الدین سعدی (1184ء-1292ء) کے والد مصلح الدین ان کے بچپن میں شیراز میں انتقال کر گئے، اتابک فارس سعد بن زنگی خود انہیں اپنی تربیت میں لے لیا جو 1195ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اظہار احسان مندی کے طور پر انہوں نے اس کے نام کی نسبت سے اپنا تخلص سعدی رکھا۔ سعدی نے بغداد کی مشہور درس گاہ نظامیہ میں علم حاصل کیا۔ بعد میں حضرت عبدالقادر گیلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے اپنی طویل زندگی کے پہلے تیس سال مطالعہ میں، دوسرے تیس سال سیر و سیاحت اور شعر گوئی میں، تیس سال مراقبہ و مجاہدہ اور اپنے کلام کی تکمیل و ترتیب میں اور آخری بارہ سال تصوف کی تلقین و اشاعت میں صرف کیے۔ آپ کی تصانیف میں بوستان: تصنیف 1257ء اور گلستان: تصنیف 1258ء نہایت معروف ہیں۔ فارسی ادب کے سلسلہ میں یہ کتابیں ہر جگہ پڑھی جاتی ہیں۔ بوستان اخلاقی موضوعات پر نظموں کا ایک مجموعہ ہے۔ گلستان نثر میں ہے اس میں اہم اخلاقی مسائل کہانیوں کی صورت میں مؤثر انداز میں پیش کیے گئے ہیں اور بیانات کو مؤثر بنانے کی غرض سے اشعار بھی شامل کئے گئے ہیں آیات و احادیث سے بھی زینت دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ غزلیات کا دیوان، کچھ قصائد اور چند نظموں کے مجموعے بھی تحریر کیے۔ سعدی غزل کے امام تصور کیے جاتے ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ 42:11 بحوالہ دولت شاہ: تذکرۃ الشعراء، طبع براؤن 1901ء)۔ لطف علی بن آقاخان آذر: آتشکدہ
- 55- فرشتہ: 273:1
- 56- عبدالحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر 193:1
- 57- مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی: تاریخ ملت، 3:443
- 58- شیخ محمد اکرام، آب کوثر، 120
- 59- ایضاً، 121
- 60- ایضاً
- 61- ایضاً

- 62- ایضاً، 122
- 63- ایضاً، 124
- 64- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 198:1
- 65- ایضاً، 234:1
- 66- ایضاً، 228:1
- 67- محمد اسحاق بھٹی: فقہائے ہند، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، 1:126، 1974
- 68- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ نگار، سعید مارہروی، حیات خسرو۔ شبلی نعمانی، بیان خسرو، مطبوعہ دہلی، 8:930
- 69- امیر خسرو: گوہر اکمل، ص 66
- 70- قاضی جاوید: برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء، لاہور، نگارشات ٹیمپل روڈ، 1995، ص 46
- 71- S. Hasam Askari, Amir khusru as a historian, Patna, Khuda Baksh Oriental (Public Library, 1988 (p10
- 72- فیاض احمد، (کپٹن ریٹائرڈ)، تاریخ ادبیات پاکستان و ہند، لاہور، جامعہ پنجاب، سن اشاعت 1984ء، 1:211
- 73- برنی، ضیاء الدین، تانخ فیروز شاہی، (مترجم)، لاہور، اردو سائنس بورڈ، اپر مال، 2004ء، ص 522
- 74- شیخ محمد اکرام، آب کوثر، 180
- 75- ایضاً
- 76- برنی، ضیاء الدین، تانخ فیروز شاہی، (مترجم) ص 523
- 77- شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص 19
- 78- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 226:1
- 79- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، 1:159 بحوالہ الباب الالباب از قاضی سدید الدین عوفی 1:203
- 80- برنی، ضیاء الدین، تانخ فیروز شاہی، (مترجم) ص 523
- 81- عبدالحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر 209:1